مولانا عبدالقیوم حقانی فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست

ذیل کا مقالہ مولانا عبدالقیوم حقانی نے شاہ ولی اللہ سوسائٹی کی دعوت پر مدرسہ قاسم العلوم نیر انوار گیٹ لاہور میں ۵ ر اپریل ۱۹۸۶ء کے اجلاس میں پڑھا جس میں اکابر علماء، مشائخ، علمی و دینی شخصیتوں، سکول و کالج کے اساتذہ، پروفیسر، صحافی اور دانشور حضرات نے شرکت کی۔ بعد میں میاں محمد اجمل قادری مدظلہ امیر انجمن خدام الدین، مولانا عبدالرشید انصاری مدیر ہفت روزہ خدام الدین، جناب شبیر احمد نفیسی مدیر ماہنامہ حق چار یار، سید احمد حسین زید مدیر ہفت روزہ ترجمانِ اسلام، سلطان القلم مولانا سید انور حسین نفیس رقم خلیفہ اجل حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ، جناب پروفیسر ہمایوں صاحب اور جناب مرزا جانباز صاحب مصنف "کاروانِ احرار" نے اظہارِ خیال فرمایا اور مقالہ کو موجودہ حالات میں تمام افرادِ امت کے لیے فکر انگیز اور انقلاب آفریں قرار دیا ——— (ادارہ) ———

تدبیر منزل، نظم مملکت اور فلاح امت کے اجتماعی، قومی اور ملّی امور کی ترتیب و تنظیم کو سیاست کہتے ہیں، سیدنا امام الائمۃ، سید الفقہاء، محدث کبیر، امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی کے تین مختلف ادوار اور تدریجی مراحل تھے۔

۱- اعلیٰ اور جامع منصوبہ بندی کے ساتھ اندرونِ خانہ وضع قوانین، ان کے نفاذ و اجراء اور غلبہ و استحکام کے لئے ایک وسیع اور ہمہ گیر تحریک جو مثالی طور پر کامیاب ہوئی۔

۲- عباسیوں کے طاغیہ ابو مسلم خراسانی کے مظالم، سفاکیوں اور چیرہ دستیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والوں سے زبردست تعاون اور صحیح اسلامی انقلاب کے لئے ایک بڑی جماعت، مضبوط سیاسی قوت، اتحاد امت اور ایک وسیع اور موثر تحریک و تنظیم کی تجویز و مساعی اور بالآخر شاندار کامیابی۔

۳- امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سیاست کا تیسرا مرحلہ۔ فقہ د قانون اور اسلامی آئین کی تدوین کی تکمیل، اطراف و اکناف

ملک میں آپ کے تربیت یافتہ رجال کار کا انقلابی کردار، محمد بن عبداللہ نفس زکیہؒ اور ابراہیم نفس رضیہؒ کی برپا کردہ وسیع انقلابی تحریک میں شرکت، امام صاحب کا حکومت کے انتقامی حربوں کا ہدف بننے اور خلعت شہادت سے سرفراز ہونے کے باوجود اجتماعی، قومی اور ملی مفادات کی سطح پر ۱۲۰۰ سال تک، فقہ حنفی کی آئینی بالادستی چاردانگ دبستان فقہ کی ترویج، اور امامت کے لئے اسلامی نظام حکومت اور شرعی نظام سیاست کے واضح خدوخال اور بے غبار لائحہ عمل۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں سیاسی طور پر ظلم و بربریت اور تشدد و استبداد کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھا گئے تھے یہ وہی زمانہ تھا جب صدیق اکبرؓ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بیت اللہ کی چوکھٹ پر خاک و خون میں تڑپا دیا گیا تھا۔ ابن زیاد اور حجاج بن یوسف کی تلوار غریبوں اور بے کسوں کے سر پر لٹک رہی تھی۔ کہ اچانک بنی امیہ کی مردہ لاشوں سے عمر بن عبدالعزیز کو اموی تخت کی وراثت ملی۔ یہ ابوحنیفہؒ کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آزادی ملت کیلئے پہلے منشور کا اعلان کیا کہ

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

اللہ کی نافرمانی میں کوئی ہماری اطاعت نہ کرے

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مختصر مدت خلافت کے بعد چھ خلفائے بنی امیہ یکے بعد دیگرے آئے جنہوں نے نبوت کی راہوں کو چھوڑ کر عجمی سلاطین کا وطیرہ اختیار کر لیا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان کے بے پناہ مظالم، ناگفتہ حالات اور تشدد و استبداد سے تن تنہا ٹکرانے، اشخاص اور چہرے کے بدلنے کے بجائے پورے نظام میں انقلاب لانے کی منصوبہ بندی کی۔ چنانچہ تدوین فقہ و قانون اور تحریک نفاذ اسلام کی خاموش مگر حکیمانہ سیاسی پالیسی وضع کی جس کے بعد میں دور رس انقلابی نتائج نکلے۔ اور وہ اسلامی سیاست کے اصول بن کر تاریخ کا سنہری باب بن گئے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب بنی امیہ کے طاغیہ حجاج اور عباسیوں کے طاغیہ ابومسلم کی طغیانیوں، سرکشیوں، بے رحمیوں کے خونی مناظر، کھلے ہوئے جیل خانوں کی آہ و بکا اور شور و ہنگامہ کے ہیبت ناک تصور سے اچھے اچھوں کے ارادے پست ہو جاتے تھے۔ شیر بیشۂ آزادی روباہ مزاجی پہ مجبور کر دئے گئے تھے بڑے بڑوں کے ایمان خریدے جا رہے تھے مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ حکومت ظالمہ سے مقاطعہ اور ترک موالات اور استغناء و بے نیازی کی روش اختیار کر کے گویا اصلاح و تدبیر کی حکیمانہ سیاست پر عمل پیرا تھے اور کثرت سے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے

عطاء ذی العرش خیر من عطائکم

وسیبه واسع یرجی و ینتظر

عرش والے کی داد تمہاری داد و دہش سے بہتر ہے اس کا ابر کرم فراخ ہے جس سے امیدیں وابستہ ہیں اور جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

وانتم تکدرون ما تعطون منکم
واللہ یعطی بلا من ولا کدر

تم لوگ حکومت والے جو کچھ دیتے ہو اس کو گدلا کر دیتے ہو اور حق تعالیٰ دیتے ہیں جس میں نہ احسان جتلانے کی اذیت ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی کدورت اس میں ہوتی ہے۔

امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید کی شہادت، امام حسن کے پوتے محمد بن عبداللہ نفس زکیہؒ کی شہادت اور سلاطین و امراء جور کی طرف سے امت پر مظالم و مصائب کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ کا فطری ترحم و جذبہ ہمدردی انہیں ہر گھڑی بے چین رکھتا تھا وہ امت محمدیہ کو ظالم سلاطین کے فولادی پنجے اور غلامی کی زندگی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں آپ نے اہل حق مظلومین، علماء طلباء فضلاء ائمہ مجتہدین، دین کے خدام اور امت کے عام افراد سے ہمدردی و خیر خواہی اور نصرت و مدد کے لئے وسیع پیمانے پر تجارت کا کاروبار شروع فرمایا غرباء کو مضاربت پر مال دیتے تھے اور اس سے ان کی مدد کرتے تھے۔ علماء کو تحائف اور طلباء کو وظائف جاری فرماتے تھے بڑوں کی مدد اور حاجت مندوں کی ضرورت، بیواؤں کی سرپرستی اور مستحقین پر جود و سخا آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی قیام گاہ "مجلس البرکۃ" کے نام سے معروف ہوگئی تھی۔ عامۃ الناس کے فائدے اور عام معاشی سدھار کے لئے صحیح اسلامی بنکاری کا نظام قائم فرمایا تھا جس کی ایجاد و توضیح کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

کوفہ کے مشہور ظالم گورنر ابن النصرانیہ خالد اور یوسف کے زمانہ میں (جن کے دور میں دن کو رات کہنا بھی جرم تھا اور دن کہنا بھی گناہ) خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ حضرت زید بن علی کی جب کوفہ تشریف آوری ہوئی اور بنی امیہ کے خلاف مقابلہ کے لئے علی الاعلان چار ہزار افراد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ تو انہوں نے بھی سیاست کے اصول و احکام پر مجتہدانہ اور فقیہانہ نظر رکھنے والی مسلم شخصیت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے سامنے اپنے قاصد کے ذریعہ صورت حال رکھ دی۔ چنانچہ حضرت امام صاحب نے بغیر کسی لیت و لعل، تردد اور پس و پیش کے غیرت و حمیت اسلامی کے پیش نظر علی الاعلان فتویٰ جہاد صادر فرمایا کہ:۔

"حضرت زید کا اس وقت بنی امیہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف آوری کے مشابہ ہے"

اس دور میں محدثین کے ایک بڑے طبقے نے ظالم سلاطین کے مقابلہ میں خاموشی اختیار کرنے اور اپنی ذاتی ذمہ داریوں کی تکمیل میں اپنی استطاعت کی حد تک مشغول رہنے کو اسلامی سیاست قرار دے کر گوشۂ خمول میں زندگی گذارنے کو ترجیح دی۔ مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ حالات کا اندازہ، عواقب و انجام اور نتائج سے بے نیاز ہو کر محض سیاست برائے سیاست کی خاطر میدان میں کود پڑنے کو شرعی اور فقہی نقطۂ نگاہ اور تعلیمات کی رو سے غیر مفید اور بعض حالات میں مضر اور قابل

مواخذہ جرم قرار دیتے تھے منکر کو بدلنا ضروری قرار دیتے تھے۔ مگر جب منکر کے بدلنے سے کسی بدترین منکر کو راہ ملتی تھی تو اعتدال اور احتیاط کی راہ چلتے تھے۔ حضرت امام صاحب ایسی قربانی جس کا فائدہ ایک دو افراد کے درجۂ شہادت تک محدود ہو اور ملت کے لئے نافع نہ ہو اور جس سے بعض حالات میں دوسرے لوگوں میں بھی آگے بڑھنے کی جرأت اور ہمت چھوٹ جاتی ہو کے مقابلہ میں صالح رفقاء کی نصرت، ایک مضبوط جماعت اور ناقابلِ تفریق سیاسی قوت کے بہم پہنچانے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ فرمایا کرتے :-

اگر حکومت جابرہ اور ظالم سلاطین سے مقابلہ کرنے والوں کو صالح رفقاء میسر آجائیں اور ایک آدمی ان کی سرداری کرے اور یہ ایسا آدمی ہو جو اللہ کے دین میں قابلِ اعتماد ہو اور اپنے مسلک سے نہ پلٹے تب مسلمانوں کو اس اجتماعی فرض کی ادائیگی کے طور پر اس میدان میں ثابت القدم اور راسخ العزم ہو کر ظالم سلاطین کے جور و ستم کے مقابلہ میں ایک سیسہ پلائی دیوار ہو جانا چاہیئے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نظریہ تھا کہ جابر سلاطین کے مقابلہ میں انفرادی قربانی، شہادت و جاں سپاری کا جتنا بھی بلند ترین مقام ہو اس میں شک نہیں مگر ان کی نظر و بصیرت دقیق اور دور رس نتائج پر تھی وہ خود کو قتل کرا دینے کے بجائے امکانات سے حتی الوسع نفع اٹھانے کے قائل تھے۔ وہ اجتماعی اور ملی فائدہ اور ملت کے احیاء اور اصلاح و تدبیر سے امکانی منافع کے حصول کو ترجیح دیتے تھے۔

احقر اسے امام ابوحنیفہ کے سیاسی مسلک اور اجتماعی زندگی میں خالص فقہی و شرعی سیاسی پالیسی قرار دیتا ہے۔

احقر نے اپنی تالیف دفاع امام ابوحنیفہ ص ۲۴۳ میں امام ابوحنیفہؒ کے سیاسی عمل کے اجمالی خاکہ کی یوں تلخیص لکھی ہے۔

" خلاصہ یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ چالیس سال کی عمر سے ستّر سال کی عمر تک میدانِ سیاست میں اترے رہے اور جب تک دوسرے امکانات سے نفع اٹھانے کا موقع ملتا رہا۔ استفادے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی۔ سیاسی حکمت عملی، فقہ حنفیہ کی بالادستی، تلامذہ کے ایک بڑے حلقہ اور قاضیوں کی ایک بڑی جماعت کے مستقبل میں غلبہ اور فقہ حنفیہ کو آئینی حیثیت اور قانونی تحفظ اور عملاً مکمل نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے بعد سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار کر کے جامِ شہادت نوش کیا۔

حکم بن ہشام کہا کرتے تھے کہ :-

" ہماری حکومت (بنی امیہ) نے ہزار چاہا کہ اپنے خزانوں کی کنجیاں امام ابوحنیفہؒ کے حوالے کر دیں یا وہ اپنی پیٹھ پر کوڑے پٹوانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے حکمرانوں کے عذاب کو اختیار کر لیا مگر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے جان چھڑالی۔

حکومتِ بنی امیہ کی امام ابوحنیفہؒ کے متعلق اول سے یہ پالیسی تھی کہ پہلے نرمی سے کام لیا جائے اور نرمی میں جس حد تک مبالغہ ممکن ہو اس میں کمی نہ کی جائے۔ لیکن نرمی سے جب کام نہ چلے تب گرمی کے طریقوں کو اختیار کیا جائے۔

چنانچہ روئے زمین کی سب سے بڑی قاہرہ حکومت کے سب سے بڑے گورنر ابن ہبیرہ نے امام صاحب کی خدمت میں حکومت بنوامیہ کی سیاسی پالیسی کی تکمیل کرتے ہوئے دوستی بڑھانے کی درخواست پیش کی۔ اور کہا

حضرت شیخ! اگر آپ اپنی آمد و رفت کو ہمارے ہاں ذرا بڑھا دیں تو آپ سے ہم فائدہ اٹھائیں اور ہمیں آپ سے نفع پہنچے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے استغنائی طرزِ عمل اور بے باکانہ گفتگو سے ابن ہبیرہ کی یہ پیشکش رد کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تمہارے پاس آکر کیا کروں گا۔ اگر تم مجھے نزدیکی اور تقرب عطا کرو گے تو فتنہ میں مبتلا کرو گے۔ اور اگر ہمیں تم نے دور رکھا یا قرب عطا کرنے کے بعد نکال دیا تو خواہ مخواہ کے غم میں مجھے مبتلا کرو گے"

عراق، ایران اور خراسان جیسے عظیم صوبوں کے مطلق العنان حاکم (گورنر) ابن ہبیرہ نے اس کے بعد امام صاحب کو ایک بااختیار وزیر بنانے کی پیش کش کرتے ہوئے پیغام بھیجا کہ:۔

"گورنر کی مہر تمہارے سپرد کر دی جائے گی۔ تاکہ جو حکم نافذ ہو اور کوئی کاغذ جو حکومت کی طرف سے صادر ہو اور خزانہ سے کوئی مال برآمد ہو وہ سب آپ ہی کی نگرانی میں ہو گا۔ اور آپ ہی کے ہاتھ سے نکلے گا"

مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنی سیاسی پالیسی کی تکمیل اور حق کی بالادستی کی خاطر دولتِ بنی امیہ کے اس منصب جلیل کو ٹھکرا دیا۔ تو گورنر ابن ہبیرہ نے آپ کو ۱۵ روز کے لئے جیل بھیج دیا۔ زمانۂ حبس میں بھی طمع و لالچ اور جاہ و منصب کی مسلسل پیشکش ہوتی رہی اولاً شاہی کارخانہ کی نگرانی کا عہدہ پیش کیا گیا جب یہ نہ چلی تو عہدہ قضاء کی پیش کش کی گئی جب یہ پیش کش بھی ٹھکرا دی گئی تو گورنر ابن ہبیرہ نے غیض و غضب سے معمور ہو کر قسم کھاتے ہوئے اعلان کیا کہ:۔

"اگر عہدۂ قضاء کو بھی امام ابوحنیفہؒ نے قبول نہ کیا تو میں ان کے سر پر کوڑے مار کر رہوں گا"

دنیا لرز رہی تھی۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کی نظر کوڑوں سے زیادہ آخرت کے آہنی گرز کی چمک پر تھی۔ چنانچہ اسی لب و لہجہ میں آپ نے بھی اعلان کر دیا کہ:۔

"خدا کی قسم! میں ہرگز عہدۂ قضا قبول نہیں کروں گا مجھے ابن ہبیرہ قتل ہی کیوں نہ کر دے"

ابن ہبیرہ یہ جواب سن کر تلملا اٹھا۔ ابوحنیفہؒ کو سپاہیوں کے ذریعے اپنے دربار میں حاضر کر کے موت کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں تو ابوحنیفہؒ نے بڑی بے نیازی کے ساتھ فرمایا:۔

"صرف ایک ہی موت تک ابن ہبیرہ کا اقتدار ہے"

ابن ہبیرہ کے اشارہ سے امام صاحب کے کھلے سر پر جلادوں کے کوڑے برس رہے تھے۔ سر پر مار پڑنے سے چہرہ مبارک سوج گیا تھا۔ واپسی پر راستہ میں کسی تصور سے امام صاحب پر گریہ طاری ہوا۔ کسی نے وجہ دریافت کی تو ارشاد فرمایا۔

"اس مار کا مجھے خیال نہیں، بلکہ مجھے اپنی والدہ کا خیال آتا ہے میرے اس حال کو دیکھ کر اس بے چاری کا کیا حال ہوگا"

ہجرت کے ایک سو تیئیسویں سال جب بنی امیہ کی حکومت کے خلاف سارے ممالک اسلامیہ میں سازش کا جال پھیل گیا۔ امام ابوحنیفہ بھی بنی امیہ کے بے پناہ مظالم کے ستائے ہوئے تھے جہاد کے عنوان سے انتقام کے جذبات بھی ابھر سکتے تھے۔ مگر امام صاحب محض انقلاب اور محض شورش کے بجائے ٹھوس مثبت اور سودمند انقلاب لانا چاہتے تھے۔ چونکہ ابومسلم خراسانی کی قیادت میں برپا ہونے والی بغاوت میں ایسی کوئی توقع نہیں تھی اس لئے آپ نے ان دنوں مجاورت حرم کی زندگی اختیار کر لی۔ بلد الامین میں پناہ گزینی کی یہ مدت کوئی سوا چھ سال بنتی ہے۔

جب بنی امیہ کی حکومت ختم ہوئی اور عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح تخت نشین ہوا تب امام ابوحنیفہؒ حرمین الشریفین سے واپس تشریف لائے۔ سفاح چار ماہ حکومت کر کے فوت ہوگیا تو ابوجعفر منصور الدوانیقی سریر آرائے تخت ہوا جسے عباسیوں کے پہلے حقیقی خلیفہ دولت عباسیہ کے معمار اول اور اس کے حقیقی بانی ہونے کا مقام حاصل ہے۔ اسی ابوجعفر منصور کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی کشمکش امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا سیاسی کارنامہ ہے۔

عباسیوں کے طاغیہ ابومسلم خراسانی جو اپنی سفاکانہ کرتوتوں میں ظالم الامۃ حجاج بن یوسف سے کسی طرح بھی کم نہیں مطلق العنانی اور اس ستمگر کینہ سیاہ سینہ فرماں روا کی ظالمانہ حقیقتیں بے نقاب ہوکر بہی خواہان ملت کے سامنے آئیں تو ابراہیم الصائغ جیسے صاحب اخلاص و دیانت کے دلوں کے اندر آگ کی طرح حق گوئی و بے باکی کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ چنانچہ اسی جذبہ انقلاب کے تحت وہ بغرض مشاورت و رہنمائی اور معاونت و ہمنوائی کے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بڑے گہرے غور و فکر اور سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے ابراہیم الصائغ سے فرمایا کہ

"اگر اس کام کی سرانجامی میں کچھ صالح لوگوں کی جماعت مددگار بن جائے اور ان لوگوں کا سردھڑ بھی ایک ایسا آدمی ہو جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو"

اس ارشاد سے امام ابوحنیفہؒ یہ بتانا چاہتے تھے کہ بغیر کسی تنظیمی اور مضبوط سیاسی قوت کی فراہمی کے اس قسم کے خطرات میں چل پڑنے سے وضع قوانین اور ترویج شریعت کی حکیمانہ سیاسی پالیسی کا بنا بنایا پروگرام خاک میں مل جائے گا۔ ابوحنیفہؒ باضابطہ اور مؤثر اجتماعی تنظیم کے قیام تک انتظار کی گھڑیوں میں وضع قوانین اور رجال کار کی تربیت پر توجہ مرکوز رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی مقصد میں امام صاحب کامیاب ہوئے اور فیاض ازل نے انہیں ایسی دونوں صورتیں مہیا بھی کر دیں۔ ابراہیم موت جیسے لاینحل عقدے کا حل چاہتے تھے اور وہ یہی تھا کہ خدا کے دشمن کی تلوار ان کو خدا کے پاس پہنچا دے اور وہ اپنے مالک حقیقی کے قدموں پر اپنی جان نثار کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت

ابراہیم کو شہید کر دیا گیا اور ان کی لاش کنوئیں میں پھینکوا دی گئی۔ رضی اللہ عنہ۔ مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ نے افادے و استفادے اور نفع المسلمین کے پیش نظر باقاعدہ تنظیم و تحریک کے قیام کے انتظار کی ممکنہ ساعات میں حق کو آگے بڑھایا۔ باطل کو پیچھے دھکیلا۔ گو شہید ہوئے اور اسی منزل تک پہنچے جس تک حضرت ابراہیم الصائغ پہنچنا چاہتے تھے مگر انہوں نے اپنی قیمتی جان دے کر ذاتی منفعت خلعت شہادت کے علاوہ وضع قوانین، تدوین فقہ، اشاعت علم رجال کار کی فراہمی و تربیت، فقہی اصول، قواعد و کلیات، ہزاروں فروعات، اجتہاد اور استنباط مسائل اسلامی سیاست کے نشان راہ، اسلامی ریاست کا قیام اور اس کے نظام کے خدوخال یعنی فقہ حنفیہ کو ملک کی دستوری و آئینی حیثیت دلانا اور اس کے مکمل نفاذ کی صورت میں گرانقدر قیمت وصول کی۔ اسے ہم امام ابوحنیفہؒ کا سیاسی مسلک قرار دے رہے ہیں۔

اقامت حق اور ازالہ باطل کے لئے آپ کی اس خاموش اور حکیمانہ منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے پاس فقہ حنفی ہی نہیں بلکہ فقہ حنبلی، فقہ مالکی اور فقہ شافعی کا عظیم قانونی ذخیرہ موجود ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ چاروں دبستان فقہ کی ترویج و اشاعت میں کسی نہ کسی حیثیت سے امام ابوحنیفہؒ ہی کی دیدہ ریزیوں کو دخل حاصل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اپنا سیاسی نصب العین یہ متعین کر چکے تھے کہ اپنی پوری زندگی اور زندگی کے سارے وسائل کو کھپا کر جو صحیح چیز وہ تیار کر رہے ہیں۔ اس کے قبول کرنے پر حکومت کو مجبور کر دیا جائے۔ چنانچہ تیر نشانے پر بیٹھا۔ موفق نے لکھا ہے کہ:۔

"بالآخر امام ابوحنیفہؒ کی بات نے استواری حاصل کی اور امراء و سلاطین امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہو گئے۔ اور خلفاء کے درباروں میں ان کی اہمیت و ضرورت کا ذکر ہونے لگا"

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ خلفاء، اور ائمہ یعنی مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کا طبقہ اور حکام امام ابوحنیفہ کے مدونہ قوانین سے فیصلہ کرنے لگے اور بالآخر اسی پر سلسلہ ختم ہوا۔

ابوجعفر منصور نے مختلف حیلوں بہانوں سے ابوحنیفہؒ کے حکومت سے اشتراک عمل کی تحریک شروع کر دی۔ اس دوران یوں بھی ہوا کہ دنیا اپنی پوری رعنائیوں اور کشاکشوں کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاؤں پڑی۔ ابوجعفر منصور نے مختلف صورتوں میں عطایا، ہدایا، تحائف پیش کئے۔ وہ ابوحنیفہؒ کو اپنے کام کا بنانا چاہتے تھے۔ قدرت نے امام ابوحنیفہؒ کو شہید بنایا تھا اور صیاد بھی۔ مگر امام ابوحنیفہؒ صیاد ہی رہنا چاہتے تھے۔ بایں ہمہ حق گوئی و بے باکی اور اصلاح و تنقید کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بھرے دربار میں علی الاعلان منصور سے اپنی ایک طویل جوابی تقریر میں کہا:۔

"کسی بھی حیثیت سے تمہاری حکومت شرعی اور آئینی نہیں ہے۔ جب تم نے حکومت سنبھالی تو اس وقت ارباب فتویٰ میں دو آدمی بھی تمہاری خلافت پر متفق نہیں تھے"

ابوجعفر اس تقریر سے سٹ پٹایا۔ مگر ہوشیار، مصلحت اندیش اور بڑا سیاس تھا۔ زہر کے بجائے گڑ کھلانے کے تجربے کو
ترجیح دیتا تھا۔ کہ ادھر محمد بن عبداللہ نفس زکیہ نے مدینہ میں حکومت کے خلاف بغاوت اور مقابلے کا اعلان کر دیا تھا۔ بغاوت
کی یہ تحریک ایک وسیع، ہمہ گیر اور انقلابی تحریک تھی۔ ادھر عہد انتظار میں ابوحنیفہ نے تدوین فقہ و تربیت رجال کا کام مکمل کر
لیا تھا۔ چنانچہ امام صاحب علی الاعلان کوفہ میں ابراہیم نفس رضیہؒ اور محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ اور
علی رؤس الاشہاد فتویٰ جاری فرمایا کہ " اس جنگ میں شرکت ۵۰ حج سے زیادہ افضل ثواب ہے۔ جس کے پیش نظر امام صاحب
کے ہر شاگرد، مجلس وضع قوانین کے ارکان اور حلقہ درس کے تمام تلامذہ آپ کے اہل و عیال غرض سب کی زندگی خطرے میں آگئی —
ایسے حالات میں امام ابوحنیفہؒ صالح انقلاب کے لئے ہر ممکن تدبیریں سوچ رہے تھے۔ اسی زمانہ میں امام ابوحنیفہؒ نے عباسی فوجی
بساط کے سب سے بڑے مہرے اور زبردست موروثی نمک خوار اور وفادار جرنیل حسن بن قحطبہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کر
لیا۔ امام صاحب کی اس سیاسی تدبیر سے ابوجعفر منصور باوجود سیاسی مدبر، دلیر اور بہادر ہونے کے بوکھلایا۔ ایسے حالات
اور حکومتی تحقیقات کے باوجود حکومت ابوحنیفہؒ پر ہاتھ ڈالنا بھڑ کے چھتے میں ہاتھ دینے کے مترادف سمجھ رہی تھی۔
بہرحال تدبیر پر تقدیر غالب آگئی اور تحریک کچل دی گئی۔ نفس زکیہ اور نفس رضیہ دونوں بھائی شہید کر دئے گئے۔
ادھر خلیفہ منصور نے چن چن کر حیلے بہانوں سے بغاوت کی تحریک میں حصہ لینے والوں سے انتقام لینا شروع کر دیا۔ امام
دارالہجرہ امام مالکؒ نے محمد نفس زکیہؒ کے خروج کے وقت فتویٰ دیا تھا کہ ابوجعفر منصور نے بیعت جبراً اور زبردستی لی
ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس جرم کی پاداش میں امام مالک کو ۳۰، اور بعض روایات کے مطابق سو کوڑے لگائے گئے
بری طرح پٹوائے گئے۔ مونڈھے اتروا دئے گئے۔ ناقابل برداشت سزا سے امام مالکؒ بے ہوش ہو جایا کرتے تھے —
ادھر امام ابوحنیفہؒ کی عظمت، رعیت میں اس کا مقام و اہمیت اور کسی وقت بھی اقتدار کے لئے خطرہ بن سکنے کے خطرہ کو
ٹالنے کے لئے منصور کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ چنانچہ منصور نے ۱۴۸ سے ۱۵۰ تک جو تعمیر بغداد کی تکمیل اور امام
صاحب کی وفات کا سن ہے۔ تقریباً دو ڈھائی سال کے عرصہ میں منصور نے پھر سے امام صاحب سے نیا تعلق قائم کیا۔ چنانچہ
امام صاحب کو کوفہ سے بغداد بلا کر اولاً قضا کا عہدہ پیش کیا۔ جب انکار دیکھا تو چند صوبوں کی قضا پیش کی۔ جب یہ بھی نہ چلی،
تو آخر میں تمام ممالک محروسہ کے لئے ابوجعفر منصور قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے کی سماجت کرتے رہے کہ پورے ملک
میں قاضیوں کے نصب و عزل کے اختیارات بھی امام صاحب کے پاس رہیں۔ مگر امام صاحب نے منصور پر تعریضاً و تنبیہاً
یہ واضح کر دیا کہ تمہارے حوالی موالی، اعزہ و اقربا اور نوکر شاہی کے افراد، انصاف، قانون کی بالادستی اور مساوات کے
تقاضوں کو پورے کرنے میں بری طرح حائل رہیں گے۔ ارشاد فرمایا۔

" امیر المومنین ! آپ کے گرد و پیش میں جو لوگ ہیں ان کو تو ضرورت ایسے حکام کی ہے جو آپ کی وجہ سے ان کا اکرام کریں"

آپ نے اسی مجلس میں خود خلیفہ پر بھی یہ واضح کر دیا کہ :-

"اگر کوئی مقدمہ آپ پر دائر ہوا اور آپ مجھ سے یہ چاہیں کہ قانون کے مطابق نہ کروں اور دھمکی دیں کہ اگر اسے نہ کروگے تو تجھے دریا میں غرق کر دوں گا تو یاد رکھئے میں دریا میں ڈوب جانے کو پسند کروں گا۔ لیکن خلاف انصاف فیصلہ کروں مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔

ایک مرتبہ ابوجعفر منصور نے حضرت امام اعظم کے پاس کچھ رقم بھیجی۔ مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ دوستوں اور خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ لے کر صدقہ کر دیجئے تو امام صاحب بڑی حیرت سے پوچھ رہے تھے

اوعندهم شيئ حلال ، او عندهم شيئ حلال	کیا ان لوگوں کے پاس حلال کچھ ہے کیا ان لوگوں کے پاس کچھ حلال مال بھی ہے۔

جب بعد الوفات امام ابوحنیفہؒ کو عام قبرستان کے بجائے علیحدہ دفن کیا گیا اور خلیفہ منصور قبر پہ نماز پڑھنے آیا تو پوچھا کہ امام صاحب کو عام مقبرے سے علیحدہ کیوں دفن کیا گیا تو لوگوں نے جواب دیا۔ کہ امام صاحب بغداد کے خطۂ اراضی کو ارض مغصوبہ قرار دیتے تھے۔ یہاں کا فتویٰ اور وصیت تھی کہ مجھے ایسی زمین میں نہ گاڑنا جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو۔ منصور نے جب یہ سنا تو امام صاحب کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

من يعذرني منك حياً و ميتا	زندگی اور مرنے کے بعد بھی تجھ سے مجھے کون بچا سکتا ہے۔

بہرحال بات تو یہ چل رہی تھی کہ خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ قاضی القضاۃ کے عہدے کی طرف سب سے پہلے ہارون الرشید کا ذہن منتقل ہوا۔ اور اس نے قاضی ابو یوسف کا اس عہدے پر تقرر کیا مگر واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ ہی نے اس کے لئے زمین ہموار کی تھی۔ اور ابوجعفر منصور امام ابوحنیفہؒ کی حکیمانہ سیاست سے مجبور ہو کر انہیں اس عہدہ کی پیش کش کر رہا تھا۔ بعد میں امام ابو یوسف کا قاضی القضاۃ بننا یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا۔ بلکہ یہ امام ابوحنیفہ ہی کی سیاسی حکمت، منصوبہ بندی اور بہترین لائحہ عمل تھا۔ قاضی ابو یوسف امام ابوحنیفہ کی اس دور اندیشی کو یاد کر کے کبھی کبھی کہا اٹھتے

"امام ابوحنیفہؒ کتنے بابرکت انسان تھے کہ دنیا و آخرت کی دونوں راہیں ہم پر الٰہی کی کھولی ہوئی ہیں"

امام اعظم ابوحنیفہؒ خلیفہ منصور کی اس عظیم پیشکش (یعنی عہدۂ قاضی القضاۃ یا وزارت عدل کے منصب جلیل) کو بھی اپنی بصیرت اور دور اندیشی کے پیش نظر اپنے لئے زندگی کا اہم امتحان قرار دے رہے تھے۔ امام صاحب سمجھ رہے تھے کہ اس طریقہ سے ابوجعفر منصور مجھے اپنے قابو میں لانا چاہتا ہے۔ منصور طے کر چکا تھا کہ اس خطرناک کانٹے کو اپنی حکومت کی راہ سے بہرحال نکال باہر کروں گا اور اس کے دو ہی راستے ہو سکتے تھے یا تو انہیں حکومت میں شریک کر لیا جائے یا انہیں ختم کر دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کے سامنے بھی دو ہی راستے تھے۔

۱۔ یا تو منصور کے پیش کئے ہوئے اس آخری لقمہ کو نگل کر خود بچ جائیں لیکن اپنی زندگی کی ساری کمائی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں۔

۲۔ یا ابوجعفر کی بدگمانیوں کو یقین کے درجہ تک پہنچا کر اپنے مشن اور نصب العین کو بقا و دوام بخشنے کے لئے خود اپنی ذات کے ختم ہو جانے کے خطرے کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے دوسری صورت میں فقہ حنفیہ کے شاندار مستقبل کے پیش نظر اسی کو ترجیح دی۔ اور کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے ایک ہزار تلامذہ کے عظیم مجمع کو خصوصی ہدایات دیتے ہوئے ایک تاریخی تقریر فرمائی جس کے چند ایک اقتباسات درج ذیل ہیں :۔ ارشاد فرمایا !

عزیز تلامذہ ! میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرمایہ تم لوگوں کا وجود ہے۔ تمہاری ہستیوں میں میرے حزن اور غم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش پا کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو اب لوگ تلاش کریں گے۔ میں نے بڑی بڑی گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا ہے۔

پھر ان چالیس تلامذہ کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتے ہوئے قریب بلایا اور ارشاد فرمایا۔

پس وقت آگیا ہے کہ آپ لوگ میری مدد کریں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم چالیس میں ہر ایک عہدۂ قضا کی ذمہ داریاں کو سنبھالنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر پیدا کر چکا ہے اور دس آدمی تو تم میں ایسے ہیں جو صرف قاضی ہی نہیں بلکہ قاضیوں کی تربیت و تہذیب کا کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں — میری یہ تمنا ہے کہ علم کو محکوم ہونے سے بچاتے رہنا۔ قضا کا عہدہ اس وقت تک درست اور صحیح رہتا ہے جب تک کہ قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ اسی قضا کی تنخواہ حلال ہے مسلمانوں کا بادشاہ یا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویے کو اختیار کرے تو اس بادشاہ سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے بازپرس کرے۔

ابوجعفر منصور کو ابوحنیفہ کی ایک ہزار تلامذہ سے یہ خصوصی میٹنگ ناگوار گذری اور انہیں کوفہ سے بغداد لا کر اولاً وزارت عدل کے منصب جلیل کی پیش کش کی۔ امام ابوحنیفہؒ پیہم معذرت کرتے رہے جب کوئی عذر قبول نہ ہوا تو امام صاحب نے کہا۔

انی لا اصلح یعنی قضا کی مجھ میں صلاحیت نہیں ہے۔

ابوجعفر نے کہا۔ بل انت تصلح بلکہ تم ضرور قضا کی صلاحیت رکھتے ہو۔

دونوں میں اسی سوال و جواب کا رد و بدل ہوتا رہا۔ ابوجعفر غضبناک ہوا اپنے قطعی غیر مشکوک معلومات اور ذاتی تجربات پر اعتماد کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ سے کہنے لگا۔

کذبت انت تصلح تم جھوٹ بولتے ہو واقعۃً تم قضا کی صلاحیت رکھتے ہو۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی خاموش نہ رہ سکے بڑی استغناء اور بے پروائی کے ساتھ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔
"لیجیے آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کر دیا کیا آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ اس شخص کو قاضی بنائیں جو آپ کے نزدیک جھوٹا اور کاذب ہے"

امام صاحب کے جواز سے عباسیوں کا مطلق العنان فرماں روا ذہنی شکست کی رسوائی کے پیش نظر زیادہ مشتعل ہو گیا۔ خطیب نے لکھا ہے کہ قسم کھا بیٹھا اور کہا کہ ابوحنیفہ کو بہر صورت یہ کام کرنا پڑے گا۔ مگر حضرت امام نے بھی اسی بے باکی، وآزادی کے ساتھ قسم کھائی کہ
"خدا کی قسم میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا"

قرائن اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر منصور نے غصہ سے اندھا ہو کر عواقب وانجام اور نتائج کا اندازہ کئے بغیر ابوحنیفہ کو تیس کوڑوں کی سزا دی۔ جس سے ابوحنیفہ کی پشت پر نشان ابھر آئے اور ایڑیوں پر خون بہنے لگا صرف یہ نہیں بلکہ ابوحنیفہ کو جیل بھیج دیا ان پر سختی کرنے اور خوب ستانے کی تاکید کر دی۔ کھانے پینے میں۔ قید و بند میں، ملاقات میں سختی کی جانے لگی حتیٰ کہ بعض روایات کے مطابق کھانے میں زہر ملا دیا گیا۔

امام صاحب کی عمر اس وقت ستر برس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ زندگی بھی ساری علمی زندگی تھی۔ ادھر منصور نے بھی ایک دو نہیں تیس تیس کوڑوں کی مار دلوائی تھی جیل خانے میں کھانے پینے کی تکالیف اور قید و بند کی سختیاں اور صعوبتیں اس پر مستزاد۔ صحت گر گئی۔ ابوجعفر منصور کے دار وگیر اور جبر وتشدد نے بوڑھی ہڈیوں میں آخر کیا چھوڑا تھا جو زندگی کا ساتھ دیتا۔ موت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور موت ہی کو قدرت نے امام ابوحنیفہؒ کی نجات کا ذریعہ بنا دیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو اپنی جبین نیاز بارگاہ صمدیت میں جھکا دی سجدے میں چلے گئے اور اسی حال میں اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی ہ

تیری معراج کہ تو لوحِ قلم تک پہنچا میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

یہ ہجرت کا ایک سو پچاسواں سال تھا۔ شعبان، شوال یا رجب کا مہینہ تھا ابتداء میں اس خبر کو خواص تک محدود رکھا گیا۔ امام صاحب کے صاحبزادے حضرت حماد بغداد پہنچ چکے تھے۔ شہر کے قاضی حسن بن عمارہ نے جب آپ کو غسل دینے کے لئے کپڑے اتارے تو جسم پر کوڑوں اور مجاہدات کے ابھرے ہوئے نشانات دیکھ کہ سب رو پڑے۔ خود قاضی عمارہ نہلانے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ شہر میں کسی قسم کی منادی یا اطلاع نہیں کی گئی سب کچھ مخفی رکھا گیا۔ جنازہ اٹھانے والے چار پانچ آدمی تھے۔ مگر جب خراسانی طاقوں سے گذر ہوا تو ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے شہر میں بجلی دوڑا دی۔ پل کے پاس دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے لوگوں کا ازدحام اور سیلاب تھا جو امڈ آیا ابو رجا ہروی کہتے ہیں:

لم ارباکیا من یومئذٍ اتنے آدمیوں کو روتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اسباب وعلل کی روشنی میں انسانی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ بعد کو جو حالات پیش آئے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اقوال پر عدالتوں میں عمل ہونے لگا اور جب مامون نے اپنے چہیتے وزیر فضل ذوالریاستین کے کہنے پر ارباب علم و دانش اور اپنے خواص کی خصوصی مجلس مشاورت اس لئے بلائی کہ حنفی فقہ کو عدالت سے باہر کر دیا جائے تو بحث ومباحثے کے بعد ارباب مشاورت نے اس بات پر متفقہ فیصلہ دیا کہ

"یہ بات نہیں چلے گی بلکہ سارا ملک آپ لوگوں (عباسیوں) پر ٹوٹ پڑے گا اور حکومت کا نظام درہم برہم کردیا جائے گا"

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وفات کے کل بیس سال بعد ہارون الرشید کے خلیفہ ہونے تک بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط، مدائن، مدینہ منورہ، مصر، خوارزم، کرمان، نیشاپور، سجستان، دمشق، ترمذ، جرجان، بلخ، ہمدان، صنعاء، شیراز، اہواز، تستر، اصفہان، سمرقند، ہرات اور ممالک محروسہ، عباسیہ کے تقریباً اکثر مرکزی مقامات میں حنفی، قاضی محکمۂ عدالت پر قابض اور دخیل ہوگئے۔ جن میں بعض کا تقرر منصور نے بعض کا مہدی نے اور بعض کا ہادی نے کیا تھا۔ اور ہارون کے عہد تک امام ابوحنیفہ کی انقلابی سیاست کے دوررس نتائج و ثمرات کے ترتب کی تو انتہا ہوگئی۔ حنفی قضاۃ اور حنفیت کے سامنے عباسیوں کی جبار حکومت سرجھکانے پر مجبور ہوگئی۔ ابوجعفر منصور سے لے کر ہارون الرشید تک تمام عباسی حکمران اندرونی طور پر حنفی فقہا اور علماء کا زور توڑنے میں جب بری طرح ناکام ہوگئے تو حنفی فقہ اور حنفی فقہا کے بغیر نظام حکومت کے تاراج ہونے کا اندیشہ یقین سے بدل گیا۔ تب قاضی ابویوسف کو عام قاضی کے عہدے سے ترقی دے کر قاضی القضاۃ کا مقام دے دیا گیا۔ اور محکمہ عدلیہ کی مطلق العنان عدالت پر قاضی ابویوسف براجمان ہوگئے۔ جب مخالفین اور حاسدین نے قاضی ابویوسف کی ذمہ داریاں اور اختیارات دیکھے تو ہارون الرشید سے شکایت کی۔ ہارون الرشید نے جواب میں کہا۔

"خدا کی قسم علم کے جس باب میں بھی میں نے قاضی ابویوسف کو جانچا اس میں کامل اور ماہر پایا۔ میں آلودگیوں سے اس کے دین کو محفوظ پاتا ہوں آخر کوئی آدمی قاضی ابویوسف جیسا ہو تو پیش کردو"

عباسیوں کو تقریباً پانچ صدیوں تک حکومت کرنے کا موقع ملا۔ ۱۳۲ھ میں سفاح اول الخلفاء بنی عباس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اور مستعصم عباسی آخری خلیفہ ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ گویا ۵۲۴ سال عباسیوں کی اس دنیا میں حکومت رہی اور بغداد میں اس خاندان کے ۳۷ خلفاء گذرے۔ اس طویل ترین مدت میں ان کے قاضیوں خصوصاً قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز ہونے والوں میں عموماً حنفی مسلک کے پابند فقہا تھے۔ الا ماشاء اللہ بعض خاص وجوہات سے دوسرے مسالک کے فقہا کو بھی کبھی کبھار مواقع ملتے رہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جو کچھ سوچ کر وضع قوانین کی مجلس بنائی تھی خدا تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی اور ان کی مجلس کے

(باقی ص۵۵ پر)